مثنوی فدائے مغرب

—— جناب آغا صادق ——

○

اَلا اَے مدح خوانِ شانِ مغرب گدائے رزقِ دستر خوانِ مغرب
ثنا خوانِ خدایانِ ترقی ! غلامِ خوشہ چینانِ ترقی،

ذرا اَے مدعیٔ فلسفہ سُن !
فدائے شرق کا بھی فیصلہ سُن !

صفاتِ غیر میں رطب اللساں ہے تعجب ہے تری غیرت کہاں ہے؟
کیا مغرب کا تُو نے بول بالا علومِ شرق پر غصّہ نکالا
کہ نامعقول ہیں سب اہلِ مشرق بڑے مجہول ہیں سب اہلِ مشرق
یہ دعوٰے ہے کہ مغرب گنجِ حکمت بچارے مشرقی یکسر جہالت
گھڑی ہے تو نے یہ جھوٹی کہانی یہ ہے ذہنی غلامی کی نشانی
ملبہ اخلاق اُن کو مانتا ہے ہمیں تُو پست فطرت جانتا ہے
اصولِ دہریت ہیں تیرا مشرب سمجھتا ہے کہ گمراہی ہے مذہب
جو بے دینی پہ تُو اترا رہا ہے سمجھ کر مغز، چھلکا کھا رہا ہے
انہیں کی سب ادائیں تجھکو ازبر تری مرعُوبیت اللہ اکبر
ریاضی بھی وہیں سے فلسفہ بھی نجُوم و طبّ و جبر و ہندسہ بھی
وہیں سائنس کی اونچی زقندیں ستاروں پہ اُنہی کی ہیں کمندیں

بڑے عالی نظر مغرب کے رندے ۔۔۔ مگر مشرق کے سب اخلاق گندے
شکایت ہے کہ بڑ بولا ہے مشرق ۔۔۔ طبیعت سُن کے ہوتی ہے بڑی دق
ادھر ہیں اہلِ مغرب کتنے چُپ چاپ ۔۔۔ سراپا آگ پانی برق اور بھاپ
عمل کرتا ہے مغرب اور ہے خاموش ۔۔۔ اور اہلِ مشرق ہیں شور و شغب کوش
صفت کو بدصفاتی کہہ رہا ہے ۔۔۔ زباں کو عیب ذاتی کہہ رہا ہے
خموشی ہی اگر ہے کوئی جوہر؟ ۔۔۔ تو انساں سے کہیں بہتر ہیں پتھر
خرد کو اس قدر تو نے اُچھالا ۔۔۔ جنوں پہ طنز کر کے مار ڈالا،
زبانِ قوم کو دیتا ہے گالی ۔۔۔ جزاک اللہ یہ منطق ہے نرالی
جب انگریزی خرد کا نام ٹھہری ۔۔۔ مری اُردو یہاں دشنام ٹھہری
نظر آتے ہیں مشرق میں اندھیرے ۔۔۔ پسند آئے ہیں صدیوں سے لُٹیرے

کمالِ فن بھی رُسوا ہیں ہمارے
اور اُن کے عیب بھی آنکھوں کے تارے

لب شاگرد پہ ہے اور مدحِ استاد ۔۔۔ فدائے مغرب کا سُنیے یہ ارشاد
ہوا کیا، ہے اگر مے خوار مغرب ۔۔۔ وطن کی مے سے ہے سرشار مغرب
عفیف و پارسا اکثر نہیں وہ ۔۔۔ مگر اخلاق میں کمتر نہیں وہ
جوئے کی اس نے عادت گو ہے ڈالی ۔۔۔ مروّت سے نہیں دل اس کا خالی
وہ قوموں کا لہو پیتا ہے پھر کیا ۔۔۔ وہ استعمار پر جیتا ہے پھر کیا
ہوا کیا، سُود گر ہے شیرِ مادر ۔۔۔ سخاوت میں وہ ہے دنیا میں برتر
لُنڈھائے ساغرِ مے جام بھر لے ۔۔۔ وہ اپنے گھر میں جو چاہے سو کر لے
وہ ننگا ناچتا ہے پھر ہمیں کیا ۔۔۔ یہ ہے اس کی ثقافت کا تقاضا
چلو مذہب میں وہ پکا نہیں ہے ۔۔۔ مگر "اخلاق" تو کچا نہیں ہے۔
اگر عورت نمایاں ہے تو پھر کیا ۔۔۔ محبِّ قوم عریاں ہے تو پھر کیا
بصد عشوہ خراماں ہے تو کیا ہے ۔۔۔ کلب میں شب کو رقصاں ہے تو کیا ہے

سنور کر حسن کا انعام لے گی
کسی ہم رقص کو وہ مقام ملے گی

متاعِ مشترک ہے وہ سبھی کی،
کوئی جاگیر ہے حوّا کی بیٹی

گھروں میں جو چھپے انسان کیا ہے
حیا و شرم کا نقصان کیا ہے

تری تقریر کا ہے یہ خلاصہ
بنا ہے ڈدم ان کا اچھا خاصہ

ترے جملوں میں مغرب بولتا ہے
سمائی تجھ میں بندر کی ادا ہے

ترے سینے میں دم انگریز کا ہے
پرستش کو صنم انگریز کا ہے

یہ نغمے ہیں انہی کے، ساز ہے تو
سفید آقاؤں کی آواز ہے تو

وہ آقا جو سمندر پار کا تھا،
بڑی مشکل سے جس کو تھا نکالا

سوار اب بھی ترے اعصاب پر ہے
یہ بیداری کا دھوکا خواب پر ہے

وہ اب بھی ہے ترا آقا و مولا
لہو کیوں تیرا غیرت سے نہ کھولا

ترا کھانا ہے مرہونِ فرنگی
ترا پینا ہے ممنونِ فرنگی

رگیں تیری مگر خونِ فرنگی
ترے سر میں ہے افیونِ فرنگی

تری تعلیم ذہنیت فرنگی
تری ہر فکر تربیّت فرنگی

تو خشتِ خام ہے سانچا اسی کا
بنا ہے تو فرنگی کل کا پرزہ !

اسی کا تجھ پہ جادو چل گیا ہے
اسی کے حسبِ مرضی ڈھل گیا ہے

اسی کے نام کی جپتا ہے مالا
اسی پہ تو نے سب کچھ بیچ ڈالا

ترے سینے میں دل اپنا نہیں ہے
تری دنیا تری دنیا نہیں ہے،

کیا اپنا تمدّن تو نے غارت
صفت غیروں کی اپنوں کی حقارت

ہوئی تہذیب اپنی سر بسر نقص
انہی کے چشم و ابرو پہ ترا رقص

ہوا مغرب پہ دل قربان تیرا
چھری کانٹا بنا ایمان تیرا

پھر اس کو اور ہی سانچے میں ڈھالا
کھڑے کھانے کا بھی کھڑاگ پالا

عرض اغیار کا نقّال ہے تو
نہیں اپنا، پرایا مال ہے تو،

بہت کی تُو نے یورپ میں پڑھائی	لٹائی باپ دادا کی کمائی،
طبیعت میں جو عیّاشی سمائی	وہیں سے ایک لیڈی بھی اڑائی
جنے بچے اسی نے تیرے، ٹیڈی	رٹائی ان کو پاپا اور ڈیڈی،
ممی کہہ کر مچلتے جا رہے ہیں،	یہ کس سانچے میں ڈھلتے جا رہے ہیں
سلام آداب سے شرما رہے ہیں	ہیلو کہہ کہہ کے لذّت پا رہے ہیں
محبّت قوم سے یہ کیا کریں گے؟	کہ یہ انگریز کا پانی بھریں گے

نئے فیشن میں ہیں کچھ سے بھی کچھ تیز
بنیں گے یہ بھی انگریز ابنِ انگریز

ترقی میں بہت ہی تیز ہے تُو	حقیقت میں سیاہ انگریز ہے تُو
ادائیں ان کی سب اپنا رہا ہے	وطن سے دُور ہوتا جا رہا ہے
عمل کا علم پر گر فیصلہ ہے	تو میرا مخلصانہ مشورہ ہے
یہاں پھبتے نہیں انداز تیرے	سمندر پار جا کر ڈال ڈیرے،
ترے سر میں جو مغرب کا جنوں ہے	تو حیرت ہے یہاں گھر بار کیوں ہے
وہاں جا کر وہی تہذیب اپنا	"دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا"
منافق کا چلن تیرا چلن ہے	تو ننگِ قوم ہے ننگِ وطن ہے
نسب اپنا فرنگی سے ملا لے	ہم ہو جائیں گورے اور کالے

وہیں کر غیر کی تہذیب تازہ!
نکل جا بن کے غیرت کا جنازہ

○